بزمِ ادب

نَاظِم

حقائق آگاہ معارف دستگاہ حضرت مرشد عالم سیّد اسد الرحمٰن قدسی

دامت برکاتہم

مطبوعہ

لطیفی برقی پریس دہلی

عنوانات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

از جناب مولوی سید محمد یوسف صاحب قیصر

ادب و انشا میں بہ نسبت نثر کے شاعری کو اس وجہ سے تفوق و امتیاز ہے کہ وہ اپنی دلچسپی اور دل کشی کے اعتبار سے انسانی جذبات و حسیات کو جلد اپنے قابو میں لے آتی ہے اگر کوئی شاعر اپنے جذبات و تخئیل کو نظم کر سکتا ہے اور استعارات و تشبیہات کے ذریعہ سے اپنے خیالات کو ظاہر کر سکتا ہے تو وہ بہ نسبت ایک نثر گو کے آسانی سے اپنے مخاطب کو اثر پذیر کرتا ہے۔

شاعری

شاعری میں غزل ایک ایسا شعبہ ہے جس میں شاعر کے تخیل اور جذبات کی فراوانی کے لئے بہت ہی کم گنجائش ہے۔ مخمس، مسدس، مثنوی، ترکیب بند، ترجیع بند وغیرہ یہ سب نام اظہار جذبات و خیالات میں وسعت پیدا کرنے کے لئے رکھے گئے ہیں اور اس کے ذریعہ سے شعراء متقدمین مسلسل طور پر اپنے

خیالات ظاہر کرتے رہے ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اُس زمانہ کی یہ شاعری باعتبار اپنی ژرف نگاہی اور دقیقہ سنجی کے، استعارات، تشبیہات، تمثیلات اور دیگر صنائع وبدائع شاعری کا ایسا مکمل نمونہ ہیں جس کے لئے ہم اب تک اپنے دل میں ان کی قدر وعظمت واحترام کا جذبہ پاتے ہیں۔

نظم جدید

زمانہ گذرتا گیا اور اپنے ساتھ اپنی تمام چیزوں کو بھی لیتا گیا۔ انسان اپنے شعور وادراک میں ترقی کرتا گیا جس سے معاشرت میں بھی تغیر ہوا اور اسی کے ساتھ علوم وفنون میں بھی حالات کی مناسبت سے ترمیم وتبدیلی ہوئی۔ یہ غیر ممکن ہے کہ ادب وانشا جو علوم میں سب سے زیادہ دل چسپ اور دل کش چیز ہے ایک جگہ پر اپنی اصلی حالت میں رہتے۔ اس میں بھی تغیر ہوا، شاعری میں ندرت وجدت پیدا کی گئی اور خیالات کے مسلسل اظہار کے لئے مثنوی ترکیب بند ترجیع بند کو نظم کے نام سے موسوم کیا گیا اور جس کو بہت کچھ ترمیم کے ساتھ مذاق کے مطابق بنا لیا گیا اور اب وہ شاعر کے جذبات وخیالات کا ایک وسیع مستقر ہے۔

حضرت اقدس مدظلہ کی نظمیں

مرشد عالم حضرت اَسَدُ الرَّحمٰن قدسی مدظلہ العالی ابتدا ہی سے معرفتِ ربانی کے شیفتہ اور دل دادہ ہیں۔ یہی انوارِ حقیقت ومعرفت نظموں میں جلوہ فگن ہیں۔ مثلاً "تلاش حُسن حقیقی" میں طائر نگاہ نے تمام مجازیات کو

چھان مارا آسمان کے بھی چکر لگائے اور اسی تلاش و جستجو میں اس کو وہ نور مل گیا جہاں ہزاروں سجدے تڑپ رہے تھے اور تجلیات کے طوفان بپا تھے۔

"لرزش تخیل" میں بھی یہی رنگ نمایاں ہے۔

"چشم رحمت بکشا"، ذکر ولادت سرکار دو عالم "ظہور اسلام"، تو ایسی نظمیں ہیں جن کو پڑھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے اور عقیدہ کو استحکام و تقویت ہوتی ہے "پھول"، کی نظم میں حضرت محترم نے جب اُس کی رنگینی، نگہت تبسم اور خندہ کی اثر اندازی کا سوال کیا تو اس نے برجستہ جواب دیا۔

"بے خبر! حُسنِ ازل سے میں ہوا ہوں فیض یاب"

"تاجدار چمن"، اور "گل و بلبل"، بھی اسی چمنستان کے وہ شگفتہ پھول ہیں جن کی نگہت تمام تر روحانیت میں بسی ہوئی ہے۔

"زاہد خشک"، نے عشق و محبت کی مذمت کرتے ہوئے جب کہا کہ اس چیز نے کسی وقت بھی مجھ کو اپنا گرویدہ نہیں بنایا اور آپ ہیں کہ ان بتانِ شوخ کے پیچھے خراب و رسوا ہو رہے ہیں تو آپ نے جواب دیا۔

من نیم مبتلائے ظاہر حُسن　　　من نیم محو شکل سیمائی
در نگاہم فروغ حُسنِ ازل　　　در دلم جلوہ ریزہ شان اجل

اسی طرح "پرستارے"، میں ایک برہمن نے اس مسافر طریقت کے

نورِ تکلم سے اپنے دل کو روشن کیا۔

"محبت کے جوگی" نے افسانۂ محبت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے آخر میں سو بات کی ایک بات کہدی

"کامل طلب اگر ہو، ہر ذرّہ اس جہاں کا تفسیر مدعا ہے"

"فلسفہ حسن و محبت" اور "شاعری" بہترین نظمیں ہیں جو اپنی جگہ پر حسن و محبت کا حقیقی فلسفہ اور شاعری کا مقصدِ اصلی ہیں۔

"یادِ ایام" اور "طور" جیسی دلکش نظموں کے بعد "شبنم" "منظر شوق" ایک خاص کیفیت دماغ میں پیدا کرتے ہیں اور آنکھوں کے سامنے ایک ایسا منظر آجاتا ہے جو مضطرب قلب کے لئے بے حد تسکین بخش ہے۔

"شام"، "شب"، "نیند"، اپنی جلوہ پیرائیوں اور اپنے موضوع کی نورپاشیوں سے دماغ کو روشن بنا دیتی ہیں۔ شام کا شفق گوں منظر، ستاروں کی تقریب ضیا افگنی اور شب کی ظلمات، نیند، جو انسان کے لئے ایک "غیر مستقل موت" کا درجہ رکھتی ہے ان نظموں میں عجیب ندرت اور کیفیت پیدا کر دی گئی ہے، اگرچہ شام، شب، نیند، انسان اور اس کی کائنات کے ضروری لوازم ہیں لیکن حضرت محترم نے شب کی تاریکی کو ایک فضائے نور اور نیند کو ایک پُر کیف

بیداری بنادیا ہے۔

شام، شب، نیند، کے بعد "سحر" ہوتی ہے، "نمودِ روزِ روشن" ہے جس میں انسانی زندگی کے وہ سربستہ راز ہیں جس کی گرہ کشائی کے لئے حضرتِ اقدس مدظلہ ہی کے ناخن تدبیر کی ضرورت تھی جس سے یہ مسائل حل ہو کر آنکھوں کے سامنے آگئے اور نگاہوں سے شام، شب، نیند کا پردہ ہٹ گیا، سحر اور نمود روز نے آنکھوں اور دلوں کو روشن کردیا۔

"جہانِ فقر"، جو اس مجموعہ نظم کی آخری نظم ہے فقیروں اور پیروں کے اقسام بتائے گئے ہیں کہ ان سے سوائے قزاقی اور غارت گری کے کوئی فائدہ نہیں ہے بلکہ یہ لوگ فقیری کو بدنام کرنے والے اور اس کے نام سے دریوزہ گری کرنے والے ہیں۔

غرض کہ حضرت اقدس مدظلہ کی ہر نظم اپنے دل کش اثر کے لحاظ سے لاجواب ہے اور ان تمام نظموں میں ممدوح محترم کا وہ نصب العین جو حقیقت میں ان کی زندگی کا نصب العین ہے پوری طرح نمایاں ہے اوائل عمری میں بزمانۂ طالب علمی یہ واردات قلبی منظوم ہوئے تھے پہلا مجموعہ انجمن اردو نے ۱۹۱۲ء میں شائع کیا تھا پھر ۱۹۳۰ء میں جب نغمات طبع ہوئے تو اس کے ساتھ چند نظمیں طبع ہوئیں،

اب اہلِ ذوق کے اشتیاق سے متاثر ہو کر جناب مکرمی سید ابرار حبیب صاحب اس مجموعہ کو خاص اہتمام سے شائع فرما رہے ہیں۔

خدا کرے یہ مجموعہ بہت مقبول ہو۔

دیرینہ وفا کیش

قیصر

یکم رجب ۱۳۵۷ہجری

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

تلاشِ حُسنِ حقیقی

تلاشِ حسن میں جب طائرِ نگاہ چلا
ہر ایک ذرّہ پکارا کہ خوب راہ چلا

چمن بھی پھول بھی رنگِ بہار بھی دیکھا
سمندروں میں گیا کوہسار بھی دیکھا

حرم میں دیر میں ہر خانقاہ میں پہنچا
شراب خانہ میں ہر درس گاہ میں پہنچا

نظر فریب مناظر غریب نے دیکھے
مگر نہ آئے نظر حُسن کے کہیں جلوے

مجازیات میں جب حُسن کا پتہ نہ ملا
نظر کو ذوقِ تجلّی فضا میں لے کے اُڑا

فضا خموش تھی اور کائنات سوتی تھی
مگر نظر متمنّی کسی کے جلوے کی

فلک پہ جا کے وہاں کا بھی ماجرا دیکھا
تلاش جس کی تھی اُس کا کہیں نشاں نہ ملا

فرازِ چرخِ بریں سے گذر گیا اوپر
جہاں تمام میں پھیلی تھی نور کی چادر

نگاہِ شوق میں جب یہ جہانِ نور ملا
ادب سے گوشۂ چادر پہ سَر جھکا ہی دیا

تڑپ رہے تھے جبیں میں ہزارہا سجدے
تجلّیات کے طوفان تھے کہ برپا تھے

غرض کہ طائرِ نظّارہ محوِ سجدہ تھا
تبسّموں سے نمایاں تھا حُسن کا جلوا

تجلیوں کی چمک نے نظر کو گھیر لیا
بہارِ حُسنِ حقیقی کو آنکھ نے دیکھا

لرزشِ تخئیل

عرش پایہ ہے لرزشِ تخئیل — ہے تصور میں نور کی قندیل
فکر آئی ہے آج بن کے براق — ہاں خبردار چرخ نیلی رواق
دل میں اٹھیں نشاط کی موجیں — زیرلب انبساط کی موجیں
وہم آئے حسین بن بن کر — آخر آہی گئی وہ شکل نظر
آنکھیں جویا تھیں جس کی مدت سے — جس کے جلوے کی آرزو تھی مجھے
شکرِ ایزد کہ اُٹھ گیا پردہ — بے حجاب آگیا نظر جلوہ
لوح محفوظ ہے جبیں اُس کی — جس میں لکھی ہے میری قسمت بھی
دونو ابرو ہیں دو پرِ جبریل — درمیاں جن کے صورِ اسرافیل
صفِ مژگاں ملائکہ کے پرے — جو نگہبان ہیں نگاہوں کے
دونو آنکھیں ہیں نور کے دریا — یا ہیں مرکز جمالِ زیبا کا
خطِ بینی نشانِ یکتائی — جس کے حصہ میں شانِ یکتائی
دونو رخسار دو تجلّی گہ — دیکھ کر جن کو ہو نظر خیرہ
دونوں لب مرگ وزیست کے حامل — یا حقیقت کے مرشدِ کامل
ہے دہن درس گاہِ حقانی — یا ہے اک خانقاہِ روحانی
باب ہیں معرفت کے دنداں سب — علمِ پنہاں، ہوئے نمایاں سب

ہے زباں ایک ہاتفِ غیبی ۔۔۔ یا طلسماتِ غیب کی کنجی
اُس کے دو ہاتھ دو فرشتۂ قدس ۔۔۔ لکھتے رہتے ہیں جو نوشتۂ قدس
اس کے بازو ستونِ عرشِ مجید ۔۔۔ اُس کے قبضہ میں رازِ لوحِ حمید
ہے کفِ دست اک صحیفۂ عشق ۔۔۔ ناخنوں میں ہیں کچھ لطیفۂ عشق
اس کا سینہ ہے فیض کا چشمہ ۔۔۔ علم و عرفاں کا ایک گنجینہ
وہ ہے حامل رموزِ یزداں کا ۔۔۔ وہ امیں ہے امورِ عرفاں کا
ہر اشارے میں اُس کے حکم قضا ۔۔۔ اس کی ہر بات ایک شانِ خدا
مسندِ ناز کا وہ صدر نشیں ۔۔۔ فلکِ حسن کا وہ ماہِ مبیں
زیبِ سر اُس کے تاجِ سلطانی ۔۔۔ رونق افزا قبائے نورانی
نور افروز ہے فضائے جمال ۔۔۔ دل مرا ہو گیا فدائے جمال

اس کی ہستی ہے اِک بہارِ حُسن
اور قدسی ہے اک نثارِ حُسن

چشمِ رحمت بکشا

طیبۂ ناز کی وسعت نے زمیں کو گھیرا
یثرب عشق میں اُترے ملکِ نور لقا
کعبۂ حُسن کا خورشید درخشاں نکلا
صبح جلوہ نے رُخِ کفر کا منہ پھیر دیا

ارضِ دل بن گئی اک نور کی دنیا گویا
رونقِ قلب بنا جلوۂ انوارِ حرا

پردے جتنے تھے اُٹھے روح کی نظروں سے سبھی
درجے جتنے تھے محبت کے ہوئے طے وہ بھی
سب مقامات و مراتب کی زمیں بھی سمٹی
میں سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ بجلی چمکی

گر پڑا حضرتِ موسیٰ کی طرح غش کھا کر
اے خوشا بخت کہ رحمت نے سنبھالا آکر

تو نے الطاف کے ہاتھوں سے نوازا ہے مجھے
تیری ہی ذاتِ گرامی کا سہارا ہے مجھے
میں تو مدہوش تھا تو نے ہی سنبھالا ہے مجھے
تیری توصیف کی طاقت ہے نہ یارا ہے مجھے

تو ہے اک حُسن سراپا تری ہستی نوری
نہیں ممکن کہ کروں مدح میں پوری پوری

میری آنکھوں نے ترے حُسن کا جلوہ دیکھا
دلِ مشتاق نے اک نور کا نقشہ کھینچا
جان کے ساز سے تیرا ہی ترانہ نکلا
اک ترے نام کی نسبت سے مرا رتبہ بڑھا

ایک شعلہ ہے کہ روشن ہے مثالِ نیّر
ایک جلوہ ہے کہ ہر دم ہے وہی پیش نظر

اے کہ تو ہے فلکِ حسن کا مہرِ تاباں
اے کہ دنیائے محبت ہے تجھی پر نازاں

اے کہ تو عالمِ ہستی میں ہے اک روحِ رواں
اے کہ تو سرورِ کونین ہے اے شاہِ شہاں

اے کہ معراج نبوّت ترے دم سے برتر
چشمِ رحمت بکشا سوئے من انداز نظر

ذکرِ ولادت سرکارِ دوعالم

کیوں آج اوجِ ناز پہ ہے چرخِ سرفراز
پائی زمیں نے آج یہ کیوں شانِ امتیاز

کیوں آج رنگِ گلشنِ عالم ہے دل نواز
کس واسطے ہے قلب کی دنیا میں سوز و ساز

کیوں شہ سوارِ شوق ہے میداں میں گامزن
کیوں ہے نظر فروز گلستاں کا پیرہن

ارضِ نیاز پر ہیں یہ کیوں سجدہ ریزیاں
ہیں آسمانِ ناز پہ کیوں جلوہ خیزیاں

عرشِ عظیم پر ہیں یہ کیوں نور ریزیاں
آوازِ غیب میں ہیں یہ کیوں اتنی تیزیاں

کیوں حُسن کی ہوئی ہے تجلّی نظر فروز،
دنیائے عشق میں ہے یہ کیوں آج ساز و سوز

پیدا جنابِ سرورِ کون و مکاں ہوئے
پردے میں جتنے راز تھے وہ سب عیاں ہوئے
باطل پرستیوں کے فسانے گماں ہوئے
دل سے نشانِ ظلمت و غم بے نشاں ہوئے
جاں منزلِ مجاز میں جویائے حق ہوئی
صد آفریں کہ راہِ حقیقت کو پا گئی

وہ تاجدارِ حُسن وہ مسند نشینِ ناز
وہ کارسازِ عشق وہ محبوبِ دل نواز
وہ مظہرِ جمال وہ سلطانِ بے نیاز
وہ رحمتِ دو عالم و سرکارِ سرفراز
وہ اشرفِ خلائق و سردارِ بحر و بر
یعنی حضور فخرِ رسُل سیدالبشر

شمعِ حریم و شانِ تجلیٰ حضور ہیں
معجز نمائیِ دمِ عیسیٰ حضور ہیں
کہتے ہیں جس کو عرش کا تارا حضور ہیں
حق یہ کہ حق کا نور سراپا حضور ہیں
آئینہ ہیں حضور خدا کے ظہور کا
جلوہ حضور کا ہے کہ شعلہ ہے طور کا

جو بے مثال ہے وہ گلِ تر حضور ہیں
جو لاجواب ہے وہی اختر حضور ہیں
جس کا بدل نہیں ہے وہ گوہر حضور ہیں
بے شک تمام خلق سے برتر حضور ہیں
ہم کو شرف غلامی کا اُن کی ہوا نصیب
ہم اور یہ ودیعتِ عظمیٰ خوشا نصیب

جذباتِ دل اُبل کے دہن سے نکل پڑے
جو لب خموش تھے وہ رہینِ بیاں ہوئے

مشکل ہے نعتِ سیدِ کونین کیا لکھے
ہیں سامعہ نواز مرے دل کے ولولے
قدسی یہ نظم بس اِسی مصرعہ پہ ختم کر
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

پھُول

اے گُل ترا کیسی دل کش ہیں تری رنگینیاں
جذب نظروں کو کیے لیتی ہیں کیوں رعنائیاں
کھینچ لایا ہے یہ کس کے عارضِ رنگیں سے رنگ
کیوں بھری ہیں تیری رگ رگ میں نظر افروزیاں
گیسوئے عنبر فشاں سے کیا اُڑا لایا ہے بُو
تیری نکہت شامہ کی بن گئی روحِ رواں
کیوں بچھی جاتی ہیں نظریں اک تبسم پر ترے
کیا نگاہِ ناز سے سیکھی ہیں افسوں کاریاں
کیا لبِ نازک سے یہ معجز نمائی چھین لی
دل میں گھر کرتی ہیں تیری ناز پرور پتّیاں
مُسکراہٹ سے دلوں پر بجلیاں گرتی ہیں کیوں
کیوں ٹپکتی ہیں اداؤں سے تری بدمستیاں
کیوں بنی ہر پنکھڑی تیری تجلّی گاہِ حسن
کیوں تری ہستی پہ نازاں ہیں چمن کی ہستیاں
ہے کسی نازک ادا سے تو یقیناً ملتفت
ہو رہا ہے تیرے ظاہر سے ترا باطن عیاں
مُسکرا کر پھول نے مجکو دیا قدسی جواب
بے خبر! حُسنِ ازل سے میں ہوا ہوں فیض یاب

تاجدارِ چمن

سحر در باغ زیرِ شاخسارے
گلے از خار بودہ ہم کنارے

منِ آوارہ چوں موجِ نسیمے
بہ گلشن رفتم و دیدم بہارے

نظر بر خار چوں اُفتاد ناگہ
دلم تشویش آگیں شد کہ بارے

گُل از نوکش اگر مجروح باشد
نیابد چارہ سازے غم گسارے

گُلِ خامُش زبانِ حال واکرد
بخندید و بگفت اے دل فگارے

چہ وسواسِ فضولی در دل آری
نمے دانی کہ ہستم تاجدارے

منم سلطانِ آفاقِ گلستاں
نگہبانِ من است ایں شاخسارے

برائے من چہ باک از نوکِ تیزش
بخدام است جملہ خار زارے

دریں دورِ بہاراں نیست آزار
کہ آئینِ چمن فردوس آثار

گُل و بُلبل

بلبل سحرے گفت زگل در چمنستاں — کاے باعثِ صد رونقِ ہر باغ و بہارے
ہر شام و سحر پیکرِ فریادم و گریم — لیکن بہ دلت ہیچ نیفزود خمارے
گُل خندہ زد و گفت بصد شانِ لطافت
جُز دیدنِ خود لطف نہ دیدیم بہ کارے

بُلبل چو شنید از گُلِ خوش رنگ جوابے — بگریست و کشید آہ و نواہا و فغانے
اُفتاد بصد عجز بپائے گُل و گفتا — عمریست کہ خارِ غمِ تست و رگِ جانے
ہیہات کہ تو بیخبری از منِ بیدل
حالانکہ شب و روز توئی وردِ زبانے

خندید گل و گفت ز بلبل بہ ادائے — کاے بے خبر فطرتِ گُل گُنگ زبانے
آئینِ دل آویز ہمین است کہ ہر دم — رنگِ نظر افروز بر آرم بہ زمانے
تا جوشِ شبابِ من صد جانِ تبسّم
یک تازگی داد بہ گلزارِ جہانے

بلبل بہ عجب جوشش بہ پیشِ گُلِ رنگیں — رقصید و نوا کرد و ببوسید زمینے
خوش دل شدہ و گفت کہ اے مالکِ بُستاں — بر پائے تو ہر دیدہ نہد فرق و جبینے
من جانِ گراں مایہ بہ رُخسارِ تو ریزم
زیں ساں کہ بہ انگشتریِ طُرفہ نگینے

ظہورِ اسلام

کیوں خلق کے دلوں میں مسرت کا رنگ ہے
کیوں منظرِ حیات میں فرحت کا رنگ ہے
کیوں دورِ غم نواز میں عشرت کا رنگ ہے
کیوں عالمِ خموشش میں بہجت کا رنگ ہے
ہستی میں انقلاب ہوا اور کیوں ہوا
ہر ذرّہ آفتاب ہوا اور کیوں ہوا

غمگیں دلوں میں راحتِ کامل کا کیا سبب
بے طاقتوں میں طاقتِ کامل کا کیا سبب
ناواقفوں میں حکمتِ کامل کا کیا سبب
کم ہمتوں میں ہمتِ کامل کا کیا سبب
ظلمت طرازیوں کا زمانہ نہیں رہا
غفلت پسندیوں کا فسانہ نہیں رہا

سنگیں بتوں میں آج وہ خونخواریاں کہاں
بُت کے پجاریوں میں وہ قربانیاں کہاں
آتش کدوں میں آگ کی وہ گرمیاں کہاں
دنیا کے صومعوں میں وہ جاں بازیاں کہاں
مَے کا نشاط دہر سے کافور ہو گیا
ساقی کا فیضِ عام بھی سب دور ہو گیا

جاں اک رباب بن گئی مضراب دل بنا
تارِ نفس سے آنے لگی عشق کی صدا
سازِ وجود بن گیا اک سازِ حق نما
حُسنِ ازل سے روح کا بس سلسلہ ملا

سب بھید منکشف ہوئے امراللہ کے
سارے حجاب اُٹھ گئے اپنی نگاہ کے
تاریکیوں کو میری اُجالا بنا دیا
قسمت کو میری بختِ زلیخا بنا دیا
میں تھا علیل مجکو مسیحا بنا دیا
گویا شبیہِ حُسن سراپا بنا دیا
اس شانِ بے نیاز کے قربان جائیے
کانٹوں کے بدلے گُل مرے دامن میں بھر دیئے
دنیائے دل سے کفر کی ظلمت فنا ہوئی
کیفیّتِ سرورِ اتم رونما ہوئی
باطل پرستیوں کی تمنا ہوا ہوئی
رنگینیِ نشاط جمال آشنا ہوئی
رُخ ہی پلٹ گیا ہے جہانِ خراب کا
اک دم ثواب بن گیا نقشہ عذاب کا
بُت بھی ہیں اور اُن کے پُجاری بھی دہر میں
آتش کدے بھی اُن کے فدائی بھی دہر میں
ہیں صومعے بھی اور مسیحی بھی دہر میں
مَے بھی ہے میکدے بھی ہیں ساقی بھی دہر میں
ہاں اُن کو ظلمتوں نے چھپایا ہے سر بسر
شمعِ حرم کی روشنی چھائی ہے دہر پر
ہر ذرّۂ زمیں ہے جوابِ فضائے طور
ہر دل میں ایک کیف ہے اور کیف میں سرور
ارض و سما میں پھیل گئے جلوہائے نور
شہرت ربائے کفر ہے اسلام کا ظہور
روشن و فورِ حُسن سے کون و مکاں ہوا
طغیانِ انفسی کا اندھیرا نہاں ہوا

پرستارے

برہمن گفت از من اے مسافر / چرا در راہِ غم عمرے گذاری
ببیں حالِ منِ دیر آشنائے / کہ ہر دم پیشِ بُت ہستم بہ زاری
بہ نرمی گفتم اورا سادہ لوحی / بُتِ سنگینِ تو از حُسن عاری
چہ سود آں سنگ دل را سجدہ کردن / ندارد آنکہ آگاہی بہ زاری
منِ رہرو فدائے آں حسینم / کہ تابِ جلوہ اش ہرگز نہ آری
ز حالِ من بخوبی باخبر ہست / نہ چوں آں بُت کہ بروے اشکباری
کریم و ذوالجلال و بندہ پرور / خبردارِ پرستاران یاری
بجویم درگہِ اورا بہ منزل / یقیں دارم کہ یابم کامگاری
بخندید و بگفت از من برہمن / اگر ایں است حالِ راہ داری
فدایش ہمچو تو من نیز گشتم / منِ گمراہ را ہمراہ داری
تبسّم ریز و خوش دل گشت آنکس / کہ از یک کلمہ شد مقصد براری
ز پیشانی نشانِ قشقہ برداشت / زبانے جُست و قفِ شُکرِ باری
بگوشش آمد ہمیں دم ایں صدائے / منادی گفت بر گردوں زیاری

پرستش ہائے بُت سودے ندارد
دلِ سنگیں بہ کس میلے نیارد

زاہدِ خشک

زاہدِ خشک مغز گفت از من
اے پرستارِ حُسنِ ہرجائی

این چہ سودا کہ تو بہ سر داری
چیست حُسن و جمال و رعنائی

بردلِ من اثر نہ کرد نگاہ
نہ شدہ چشمِ من تماشائی

ہیچ چیزے زحُسنِ این اصنام
در دلِ من نہ کرد زیبائی

تو کہ در عشقِ این بتانِ شوخ
کردہ خود را خرابِ رسوائی

از وے گفتم کہ اے تجاہل کیش
از حقیقت کجا شناسائی

تو نہ دانی کہ چیست حُسن و عشق
تو نہ دانی کہ چیست رعنائی

خشک مغزی بسوخت دانشِ تو
از شبابے نہ یافت بینائی

بے بصیرت ز حُسنِ برگ و گُل
دُور گشت از تو فکر و دانائی

من نیم مبتلائے ظاہرِ حُسن
من نیم محوِ شکلِ سیمائی

در نگاہم فروغِ حُسنِ ازل
در دلم جلوہ ریز شانِ اجل

محبّت کا جوگی

تفریح کی غرض سے دریائے نربدا پر اک روز ہم جو پہنچے
کچھ لطف ایسا پایا اب تک اثر ہے دل پر گو دن ہوئے بہت سے
حُسنِ ازل کا جلوہ ہر گل سے آشکارا ہر برگ سے نمایاں
ہر چیز روح پرور ہر ذرہ کیف افزا ہر رنگ حسنِ عریاں
دل کش سُروں میں گانا خوش رنگ طائروں کا دل کو لُبھا رہا تھا
کھیتوں میں آہووں کا دوڑیں لگاتے پھرنا حد درجہ دل ربا تھا
کُہسار کی بلندی سیم و طلا بنی تھی خورشید کی ضیا سے
جنگل کے منظروں میں رنگیں ادائیاں تھیں فطرت کے اعتنا سے
اُس دشتِ پُر فضا میں الہام آفریں تھے بادِ صبا کے جھونکے
دریائے حُسن بن کر گویا کہ بہہ رہے تھے جذباتِ شوق دل سے
آنکھوں میں بس گئی تھیں تصویرِ حُسن بن کر رنگینیاں فضا کی
دل کو لُبھا رہی تھی تخئیل زار وانی دریائے نربدا کی
اتنے میں ایک جوگی سر پر لٹیں لپیٹے مستانہ وار آیا
دل میں سرورِ راحت رُخ سے عیاں محبت آنکھیں خمار افزا

پوچھا یہ اُس نے ہم سے کیا نام ہے تمہارا سچ سچ بتاؤ بابا
رہتے ہو کس جگہ تم کیا کام ہے تمہارا سچ سچ بتاؤ بابا
مرغوب ہے تمھیں کیوں یہ سیر جنگلوں کی ہم سے کہو تو آخر
محبوب ہے تمھیں کیوں یہ ہولناک وادی ہم سے کہو تو آخر
ہم نے سلام کرکے ہاتھوں کو اُس کے چوما آنکھوں سے بھی لگایا
نام اور نشان اپنا ہم نے اُسے بتایا سب حالِ دل سُنایا
بحرِ سکوت میں وہ کچھ دیر غرق رہ کر بولا نظر اٹھا کر
جانِ جہاں یہ لکھ لو اک بات اپنے دل پر ہم سے نگہ ملا کر
بے شک ہیں جنگلوں میں قدرت کے راز عریاں گر ہو نظر میں وسعت
ہر ذرہ درسِ عبرت ہر برگ گنجِ عرفاں ہر پھول خضرِ الفت
دریا کا قطرہ قطرہ افسانۂ محبت سب کو سُنا رہا ہے
آبِ رواں کا منظر اک رازِ بے نیازی سب کو بتا رہا ہے
القصہ ہر نظارا قدرت کے منظروں کا تصویرِ دل ربا ہے
کا رِ طلب اگر ہو "ہر ذرہ اس جہاں کا تفسیرِ مدعا ہے"

فلسفۂ حُسن و محبّت

اک نوجواں نے مجھ سے یہ پوچھا کہ اے جناب
آیا تھا آپ پر بھی یقیناً کبھی شباب
دیکھا ہے آپ نے بھی جوانی کا اضطراب
دل آپ نے بھی پایا ہے قدرت سے انتخاب
یہ تو بتائیے کہ محبت ہے چیز کیا
دل کی نظر میں حُسنِ بتاں ہے عزیز کیا

ہر پیکرِ شکیل میں رعنائیاں ہیں کیوں
ہر عارضِ جمیل میں رنگینیاں ہیں کیوں
ہر چشمِ مست میں یہ سیہ مستیاں ہیں کیوں
ہر خوبرو میں ناز بھری شوخیاں ہیں کیوں
دل شیفتہ ہوا ہے حسینوں پہ کس لئے
آنکھیں فدا ہیں ماہ جبینوں پہ کس لئے

میں نے کہا کہ حُسن میں ہے ایک تازگی
گویا بلوغ کی ہے نمودِ نمائشی
بس اس قدر ہے رازِ محبت کا واقعی
ہے عنفوانِ عمر کا اک جوشِ عارضی
جس کو شباب کہتے ہیں زورِ زیادہ ہے
اعضا کا ایک جوہرِ ترکیب وادہ ہے

تشکیل میں کشش ہے تناسب میں جاذبہ
ہیجان آفریں ہے عناصر کا ولولہ
تاثیر و امتزاج کا باعث ہے باصرہ
ہوتی ہے آنکھ آنکھ میں تقدیم مشورہ

پایا جہاں تناسبِ اعضا نے انحطاط
ہیجانِ عنصری سے روا نہ ہوا نشاط

ہے فلسفہ یہ حُسن و محبت کا اے جواں　　جو کچھ بھی اس کا راز تھا سب کر دیا عیاں
یہ تھا بخارِ طبع کا اک مختصر بیاں　　اب حُسنِ کائنات کی سُن مجھ سے داستاں

ہر ذرۂ جہاں سے ہے اک حُسن آشکار
ہر شے میں ایک شانِ تجلّی کی ہے بہار

ہر پھول گلستاں کا ہے اک جاذبِ نظر　　خوش رنگ طائروں کی بھی ہے شکل میں اثر
وادی بھی کوہسار بھی ہے حُسن سر بسر　　گردوں پہ ہے جمال، شفق بھی کشش کا گھر

ہر چیز اس جہان کی تصویرِ حُسن ہے
ہر ذرّہ کائنات کا تنویرِ حُسن ہے

تجکو ہے اپنے دل کا حقیقت میں اختیار　　ہر عضوِ جسم پر ہے ترا جبکہ اقتدار
کھوتا ہے کیوں تو اپنی طبیعت کا افتخار　　کس واسطے بناتا ہے سینہ کو پُر غبار

قابو میں دل نہ ہو تو وہ پھر آدمی ہی کیا
سچ پوچھیے تو جانوروں سے بھی بڑھ گیا

ہاں نغمہ و سرود میں ہے لطف و انبساط　　جامِ شراب میں بھی ہے اک حالتِ نشاط
رندانِ پاکباز سے کر لے تو ارتباط　　لیکن بتانِ شوخ سے کرنا نہ اختلاط

اشعار شاعروں کے اُبھاریں تجھے اگر
لینا نہ ان کی باتوں سے ادنےٰ سا بھی اثر

ان شاعروں کی ایک بھی سچی نہیں ہے بات
گنتا نہیں ہے کوئی بھی تارے تمام رات
صحرانوردیوں کے غلط سب ہیں واقعات
مقتل میں قتلِ عام کے جھوٹے ہیں حادثات

تیرِ نظر، نہ خنجرِ ابرو، نہ مارِ زلف
محبس کوئی، نہ قید، نہ زنجیرِ تارِ زلف

ابہام کی بنائی ہے دنیائے بے ثبات
موضوعِ شاعری کو بنایا ہے واہیات
کچھ اور ہی ہیں حُسن و محبت کے واقعات
اک درس دے رہے ہیں زمانہ کے حادثات

ہے حُسن کی تلاش تو آئینہ دیکھ لے
دروازے کھُل پڑیں گے محبت کے بھید کے

شاعری

عشق کی دنیائے حسرت زار پر
اتفاقاً جا پڑی میری نظر
اک نیا عالم نظر آیا مجھے
مرکزِ صد انتشار و صد خطر
کوئی رونا رو رہا تھا ہجر کا
مبتلائے اضطرابِ پُر خطر
تھی کہیں تاریکیِ شامِ فراق
تھا کہیں ظلمت نشاں نورِ سحر
کوئی شاکی گردشِ تقدیر کا
کوئی ناکامِ دعائے بے اثر
ظلمِ بے جا کا کوئی مارا ہوا
کوئی راحت کی خبر سے بے خبر

تھا کسی کو انہماکِ جستجو، لوٹتا پھرتا تھا کوئی خاک پر
خون کے آنسو بہاتا تھا کوئی کوئی مظلومِ نگاہِ فتنہ گر
تھا کوئی آوارۂ دشتِ جنوں کوئی پابندِ نظامِ شور و شر
کوئی متوالا نگاہِ ناز کا کوئی ساغر بر کف و شیشہ بہ بر
کوئی مفتونِ ادائے بے رُخی کوئی زحمت خواہِ اندازِ نظر
تھا کوئی رخسارِ رنگیں پر فدا تھا کسی پر زلف کا طاری اثر
تھا کوئی امیدوارِ وصلِ یار تھا کسی کو انتظارِ منتظر

الغرض ہر لب پہ تھی آہ و بکا
الاماں میں نے کہا اور چل دیا

ناگہاں زیبِ نظر تھا اک حسیں لب تبسم دوست، آنکھیں سُرمگیں
عارضِ روشن پہ دھوکا صبح کا روئے زیبا صاف اک ماہِ مُبیں
حُسن میں رنگینیاں ڈوبی ہوئی غنچۂ دلکش دہن، لب احمریں
جس کی ہر کروٹ میں دل اُلجھے ہوئے پیچ و خم کی روح زلفِ عنبریں
جس کی ٹھوکر سے تہ و بالا جہاں وہ خرامِ فتنہ زا محشر قریں
اُس کی آنکھوں کی تجلّی، الاماں بجلیاں چاروں طرف گرنے لگیں
شوخیوں میں سادگی کو دیکھ کر لڑگئیں میری نگاہیں لڑگئیں
دل پہ طاری ہوگیا اک اضطراب بدلیاں کیفیتوں کی چھاگئیں

جوشش سا اُٹھنے لگا دل میں مرے
بھر گئی گویا شرابِ آتشیں

بڑھ کے ذوقِ مضطرب نے یہ کیا
اُس کے پائے ناز تھے میری جبیں

میرے سر کو ناز سے ٹھکرا دیا
اللہ اللہ یہ غرورِ نازنیں

بن کے پروانہ کیے ہیں نے طواف
ہو گئیں اس کی نگاہیں شرمگیں

عشقِ صادق نے اثر پیدا کیا
لے لیا آغوش میں اپنی وہیں

منزلیں طے ہو گئیں سب خود بخود
جسم جاں شد، جاں بحق تسلیم شد

یادِ ایّامے

خدا جانے کہ وہ کیا حالِ محفل تھا
ہر اک ساغر بکف محوِ مشاغل تھا

گلوں میں شوخیوں کا رنگ شامل تھا
چمن میں ہر طرف شورِ عنادل تھا

ہواؤں میں سرور و کیف کامل تھا
غرض اک انبساط و لطف حاصل تھا

مجلّا نور سے آئینۂ دل تھا
تماشائے فضائے حسن کامل تھا

قدم کا چوم لینا بھی نہ مشکل تھا
نہ حاجب تھا نہ کوئی پردہ حائل تھا

رسائی کا وہاں تک فخر حاصل تھا
کہ جلوہ میری آنکھوں کے مقابل تھا

ہوئے افسانے سب احوال محفل کے — بنے اک خواب جلوے حُسن کامل کے
نہ گُل ہیں اور نہ نغمے ہیں عنادل کے — مرے دل کی کلی مرجھا گئی کِھل کے
کہاں ہیں بیٹھنے والے وہ مِل مِل کے
کہاں ہیں دیکھنے والے مرے دل کے

شبِ تاریک ہے میں ہوں مرادل ہے — نہ تارے ہیں نہ نورِ ماہِ کامل ہے
غضب ہے چرخ بھی ظلمت کا حامل ہے — عجب افتاد ہے تاریک منزل ہے
سفینہ ہے نہ دریا ہے نہ ساحل ہے
نہ ناقہ ہے نہ لیلیٰ ہے نہ محمل ہے

دگرگوں حال اب کچھ ہو گیا دل کا — نہ وہ شوخی نہ وہ ہے ولولہ دل کا
رہا باقی نہ کوئی مشغلہ دل کا — غرض سب جوش ہی جاتا رہا دل کا
نہیں ہے اب تو کوئی مدعا دل کا
تحیّر رہ گیا اک سلسلہ دل کا

طُور

ایک دن تھا میں محوِ راز و نیاز یاد آئی مجھے زمینِ حجاز
کر گیا میں بلند اک پرواز پڑھی کعبہ میں جا کے مینے نماز
ارضِ اقدس سے پھر روانہ ہوا
دشتِ سینا کے پاس سے گذرا

وادیٔ طور پر پڑی جو نظر لن ترانی کی یاد آئی خبر
دل میں پیدا ہوا عجیب اثر جانے کیا کچھ گذر گیا مجھ پر
سنگِ موسیٰؑ کو مینے سر پہ رکھا
سُرمۂ طور کو نگہ میں لیا

طور خاموش و محوِ حیرت تھا جیسے دیکھا ہو جلوۂ زیبا
جل چکا تھا غریب سرتاپا ایک خاکِ سیہ کا تھا تودا
تھی مگر اک جلال کی حالت
دھندلی دھندلی جمال کی حالت

آسماں سے اُتر رہے تھے مَلک ایک حسرت سے تک رہا تھا فلک
بجلیاں کر رہی تھیں کچھ چشمک مل جاتی تھی بس پلک سے پلک

مینے چپ چاپ اُس کا طوف کیا
اپنے جلنے کا کچھ نہ خوف کیا

اللہ اللہ یہ وقارِ طور — ہے فضائے جہاں نثارِ طور
کتنا عالی ہے افتخارِ طور — منظرِ عرش جلوہ زارِ طور

طور نے دیکھ لی تجلّیِ ناز
ہو گیا آشنائے راز و نیاز

طور تو ہے بہت ہی باعظمت — اوجِ تقدیر ہے تری قسمت
تو نے پائی جمال کی دولت — تو نے دیکھا ہے جلوۂ قدرت

تیری عظمت ہے واجب التسلیم
تیری چوٹی ہے سجدہ گاہِ کلیم

شبنم

سحر گاہے بپرسیدم ز شبنم
بگو تو کیستی اے جانِ عالم
شبا شب از کجا آئی و رفتی
چرا بر دامنِ گُل تکیہ کردی
چرا در شب بہ برگِ تر نشستی
چرا بر سبزہ زارے پائے بستی

؟

مجھے کچھ غور سے قطروں نے دیکھا
تبسّم کرکے اک قطرہ یہ بولا
منم بر برگ درمن برگ و بارے
منم بر سبزہ درمن سبزہ زارے
منم بر خار درمن شاخسارے
منم بر گُل بہ من رنگیں بہارے
منم شبنم ولے مہتاب بردوش
منم قطرہ ولے دریا بہ آغوش
میں دریا ہوں مگر ساحل نہیں ہے
میں صحرا ہوں مگر منزل نہیں ہے
میں لیلیٰ ہوں مگر محمل نہیں ہے
میں رونق ہوں مگر محفل نہیں ہے
کہیں میری تجلّی ہیں کہیں ہوں
میں سب کچھ ہوں مگر کچھ بھی نہیں ہوں

حقیقت ہے مری رازِ حقیقت　　مری تخلیق کا باعث ہے الفت
نہاں ہیں مجھ میں اسرارِ محبت　　مری افتادگی میں ہے فضیلت

مجھے بخشی خدا نے سرفرازی
مجھے حاصل ہے سب سے بے نیازی

مجھے قطرہ نہ سمجھو میں ہوں دریا　　گناہوں کو میں دھو دیتا ہوں گویا
حقیقت میں ہوں میں آنسو کسی کا　　عجب پُر کیف ہے افسانہ میرا

بظاہر دیکھنے میں ہوں میں شبنم
مگر ہر بوند میں سو سو ہیں عالم

مسلسل آنکھ سے آنسو جو ٹپکے　　بنے وہ خوشنما شبنم کے قطرے
جو فرشِ خاک پر سجدہ کو اُترے　　ستارے بن کے دنیا بھر میں چمکے

لیا آغوش میں پتوں نے اُن کو
جگہ آنکھوں میں دی پھولوں نے اُن کو

کیا بادِ صبا نے خیر مقدم　　ہوئے برگ و شجر تعظیم کو خم
بچھا دامانِ سبزہ بہرِ شبنم　　کئے قطرات نے سجداتِ پیہم

سحر چوں مہر از مشرق برآمد
بہ دینِ حق روا گر سجدہ باشد

گلوں نے ہار اپنے سب اُتارے　　ضیا نے لے لئے دامن میں تارے

شعاعوں نے چُنے قطرات سارے
فضائے بحر پر لے جا کے وارے
اُدھر دریا نے سینہ میں جگہ دی
اِدھر جھک کر صدف نے گود بھر لی
صدف سے ٹھن گئی کچھ شوخیوں کی
نمائش بحر میں تھی صنعتوں کی
ملی شبنم کو قیمت موتیوں کی
بڑھی عزت کچھ ایسی آنسوؤں کی
بنے تاجِ شہنشاہی کی زینت
بڑھی ان سے زمانہ بھر کی دولت
منم شبنم ولے دُرِّ درخشاں
منم گوہر ولے خوش آب و تاباں
منم زینت دہِ گوشِ حسیناں
منم زیبِ گلوئے مہ جبیناں
عزیزِ بارگاہِ لم یزل ہوں
زمانہ بھر میں اک ضرب المثل ہوں

منظرِ شوق

شعلۂ حُسن یک بیک چمکا ناگہاں عشق روبرو دمکا
گُل پہ دیکھا جو قطرہ شبنم کا دل سے بادل ہٹا وہیں غم کا
قابلِ دید ہے یہ منظرِ شوق

سامنے آئی شکلِ انسانی تھی جو پہلے سے جانی پہچانی
روح پرور تھی لوحِ نورانی صاف رُخ اور صاف پیشانی
قابلِ دید ہے یہ منظرِ شوق

جوش نغمایا کہ تھا وہ ایک اُبھار وہ مشکّل ہوئی بہ شعرِ بہار
دل میں اُٹھنے لگا عجیب غبار رنگ ہی کچھ بدل گیا اک بار
قابلِ دید ہے یہ منظرِ شوق

اُس کی رنگین تابشیں پھیلیں بیقراری کی نازشیں پھیلیں
سینکڑوں، دل کی خواہشیں پھیلیں ساری ہستی میں سازشیں پھیلیں
قابلِ دید ہے یہ منظرِ شوق

اُس کے نغمات سے گتیں نکلیں یعنی صدہا حکایتیں نکلیں
ہر حکایت میں حسرتیں نکلیں اور حسرت میں آفتیں نکلیں
قابلِ دید ہے یہ منظرِ شوق

طور دیکھے جو زلف کے بَل کے — دل کے افکار ہو گئے ہلکے
میری آنکھوں سے اشک جب ڈھلکے — عشق پرداز قہقہے چھلکے
قابلِ دید ہے یہ منظرِ شوق

شام

ہر شاخ پر چمن میں ہے چڑیوں کا اژدہام — پھولوں کے رنگ رنگ میں نزہت کا انضمام
بزمِ بتانِ شوخ میں زینت کا احتشام — معصوم ہستیوں میں تقاضائے اعتصام
رندوں کی محفلوں میں تجمل کا اہتمام — دیر و حرم میں سجدۂ پیہم کا التزام
چرخِ شفق نقاب پہ انجم کا انتظام — تزئین کائنات میں ترتیبِ انقسام
مہرِ فلک رکاب کی شدت کا اختتام — کس شان کس غرور سے آیا ہے وقتِ شام

اے شام اپنا دامنِ رنگیں بچھا ذرا
سجداتِ شکر خالقِ اکبر کروں ادا

ہر نازنیں چمن میں ہے مصروفِ خوشخرام — ہر شوخ کر رہا ہے تفاخر کا انصرام
ہر عارضِ جمیل میں جلووں کا ارتسام — ہے جاذبِ نگاہِ غریبانِ بے مرام
ہے جلوہ گاہِ ناز میں سجدوں کا احترام — ہے محفلِ نیاز میں سرگرمیِ سلام
ہیں طائرانِ باغ ترانوں سے شاد کام — موجِ نسیم میں بھی ترنم کا ہے نظام

پھیلا ہوا ہے چار طرف ایک لطفِ عام چھایا ہے بزمِ عالمِ امکاں پہ رنگِ شام

اے شام اپنا دامنِ رنگیں بچھا ذرا
سجداتِ شکرِ خالقِ اکبر کروں ادا

فرشِ زمیں پہ صرف نہیں اقتدارِ شام کچھ آسمان سے بھی فزوں ہے وقارِ شام
آنکھیں یہ چاہتی ہیں کہ دیکھیں بہارِ شام دل کو یہ اشتیاق ہے آئے نگارِ شام
کم جلوۂ سحر سے نہیں افتخارِ شام دنیا کے ذرہ ذرہ کو ہے انتظارِ شام
ایفائے عہد پر ہے بڑا اختیارِ شام ہر چشمِ انتظار کو ہے اعتبارِ شام
ذراتِ کائنات کے سب ہیں نثارِ شام کیا دلفریب ہے اثرِ جلوہ زارِ شام

اے شام اپنا دامنِ رنگیں بچھا ذرا
سجداتِ شکرِ خالقِ اکبر کروں ادا

شب

چین ہے اے رات تو میرے لئے　　تیرے دامن میں ہیں گوہر راز کے
تجھ کو کیا نسبت بھلا ظلمات سے　　تجھ سے خاموشی کے ملتے ہیں مزے
آکہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

تیری آنکھوں میں ہے کیفِ منتظر　　تیری چتون میں ہے رمزِ معتبر
تیرے پہلو میں ہے فردا کی خبر　　سچ تو یہ ہے تو ہے اک نادر گہر
آکہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

ہے حقیقت میں عجب ہستی تری　　تو بتا دیتی ہے راہِ بندگی
درد کی کرتی ہے تو چارہ گری　　عابدوں کی تجھ سے ہے وابستگی
آکہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

عیب پوشی ہے تجھے مدنظر　　تو ہے بے شک پردہ دارِ ہر بشر
غیب کی کنجی شہادت کی خبر　　ہر دعا میں ہے ترے دم سے اثر
آکہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

تجھ میں پوشیدہ ہزاروں راز ہیں　　تیرے وارفتہ بتِ طناز ہیں
عشق بازوں کے بھی تجھ سے ساز ہیں　　منتظر سب گوش بر آواز ہیں
آکہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

تجھ کو پا جائیں تو کیسا اضطراب　　تیرے طالب ہیں سبھی مستِ شباب
تیرے سایہ میں ہے خلقت محوِ خواب　　تجھ سے وابستہ ہے ہر اک شیخ و شاب
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

اہلِ دنیا کی ہے دنیا ہی جدا　　تجھ کو کہتے ہیں عبث کالی بلا
مجھ سے پوچھے کوئی تیرا ماجرا　　تجھ سے ملتا ہے حقیقت کا پتا
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

حاملِ الہام ہے تیرا وجود　　باعثِ آرام ہے تیرا وجود
شارحِ افہام ہے تیرا وجود　　قاطعِ آلام ہے تیرا وجود
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

تو ہے وہ جس کی ضرورت ہے مجھے　　تو نہ ہو تو ساری دنیا مر مٹے
دائمی یہ دورِ گردش کے ترے　　ہیں قیامِ نظمِ عالم کے لئے
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

تجھ میں پوشیدہ ہیں رازِ باطنی　　تجھ میں مخفی ہیں رموزِ عاشقی
تیرے پردے میں ہے اک بے پردگی　　تیری تاریکی ہے اصلِ روشنی
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

تو حقیقت میں ہے اک تابندگی　　ہے سراپا میں ترے رخشندگی
تجھ سے دنیا کو ملی پایندگی　　تو ہے اک عالم کی وجہِ زندگی
آ کہ میں آغوش میں لے لوں تجھے

نیند

چھپا دن شب تیرہ و تار آئی مگر ایک دوشیزہ بھی ساتھ لائی
مجھے دیکھ کر پہلے وہ مسکرائی مرے پاس آ کر بہت کھلکھلائی
کہا میں نے یہ کون ہے ساتھ تیرے
کہ انداز جس کے ہیں سب سے نرالے
کہا اس نے یہ ہے پرستاں کی ملکہ بہت ہی معزز ہے عالی ہے رتبہ
ہے از شرق تا غرب اس کا ہی شہرہ زمانہ میں چلتا ہے اس کا ہی سکّہ
ہے آرامِ جاں اس کا اسمِ گرامی
کہ حاصل ہے اس سے سرورِ دوامی
یکایک ہوا نیند کا مجھ پہ غلبہ میں آرام کرنے مسہری پہ لیٹا
پلک سے پلک مل گئی بے محابا میں ایسا بھی سویا کہ گویا ہوں مردہ
خبر تک رہی کچھ نہ مہماں کی اپنے
نہ جانے اُڑھایا مجھے شال کس نے
مری روح نے جب مجھے سوتے دیکھا تو دوشیزہ سے اُس نے سب حال پوچھا
کہاں سے تو آئی ترا نام ہے کیا کہا اُس نے میں ہوں پرستاں کی ملکہ

شبِ تار کے ساتھ میں آگئی ہوں،
میں آرامِ جاں ہوں میں خوابیدگی ہوں
زمانہ کو ملتا ہے آرام مجھ سے — سُلاتی ہوں ہر ایک کو میں تھپک کے
دکھاتی ہوں دلکش مناظر کے جلوے — سناتی ہوں سب کو گذشتہ فسانے
شبِ تار سے ہے شناسائی میری
میں جادو کی پُتلی ہوں جادو کی پُتلی
ملی روح کو اُس میں جب خوش ادائی — تو دونوں نے مل کر خوشی سی منائی
رگِ جاں نے بربط کی اک گت بجائی — نفَس کے ربابوں نے بھی لے سُنائی
غرض سَیر کی دل میں دونوں نے ٹھانی
روانہ ہوئیں خاک عالَم کی چھانی
گلستاں بھی دیکھے بیاباں بھی دیکھے — مکاناتِ آباد و ویراں بھی دیکھے
سمندر کے بے تاب طوفاں بھی دیکھے — خرابات بھی اور زنداں بھی دیکھے
گئیں دَیر میں بھی حَرَم کو بھی دیکھا
جہنم بھی دیکھا اِرَم کو بھی دیکھا
یوں ہی گشت میں رات ساری گذاری — قریب سَحَر ایک آواز آئی
خبر صبح ہونے کی اک مرغ نے دی — شبِ تار نے اپنی چادر سمیٹی

مری روح پھر آئی میرے بدن میں
شبِ تار و دوشیزہ لوٹیں وطن میں
میں خوابِ گراں سے اذاں سن کے چونکا　　ہوا ہوگیا آنا آرامِ جاں کا
اٹھا اپنے بستر سے گلشن میں پہنچا　　جوانانِ بستاں کو مخمور دیکھا
گئی شب ہوا روزِ روشن کا شہرہ
ابھی رات تھی ہے ابھی دن کا دورہ
یہ سب کچھ ہے اِک قدرتِ حق کا جلوا　　کبھی رات دیکھی کبھی دن کو دیکھا
تغیّر تبدّل ہے احوالِ دنیا　　خدا جانے عالم کی تنظیم ہے کیا
ازل سے ابھی تک یہی ہو رہا ہے
سمجھ لو جو چشمِ حقیقت نما ہے

سَحَر

اے سَحَر تو ہے کلیدِ مدعا
اے سَحَر تو ہے نویدِ مدعا
اے سحر تو ہے امیدِ مدعا
دیکھ! ہر دیدہ ہے تیرا منتظر

تو حقیقت میں ہے روحِ زندگی
ہے تلاطم آشنا ہستی تری
بحرِ موج افزا میں تجھ سے کھلبلی
دیکھ! ہر قطرہ ہے تیرا منتظر

تو عروجِ روزِ روشن کا سبب
تو ہجومِ صحنِ گلشن کا سبب
تو نمودِ رنگِ سوسن کا سبب
دیکھ! ہر پتّہ ہے تیرا منتظر

تو حیاتِ جاودانی کی خبر
تو نشاطِ کامرانی کی خبر
تو فروغ آسمانی کی خبر
دیکھ! ہر ذرّہ ہے تیرا منتظر

رونقِ دَیر و حرم ہے تیری ذات
باعثِ کیفِ اتم ہے تیری ذات
حاملِ ناز و نعم ہے تیری ذات
دیکھ ! ہر بندہ ہے تیرا منتظر

تو ہے تزئینِ جہانِ سوز و ساز
تجھ سے وابستہ ہیں سب راز و نیاز
تیرا دامن ہے تجلّی گاہِ ناز
دیکھ ! ہر سجدہ ہے تیرا منتظر

طلوعِ آفتاب

بعد از نمازِ صبح گئے ہم سوئے چمن
دیکھا ہر ایک پھول ہے گلشن میں خندہ زن
فرشِ چمن پہ بادِ صبا محوِ کار تھی
جاروب کش بنی تھی خس و خارِ باغ کی
ہر سمت چہچہا تھا چمن میں طیور کا
ہر ذرّہ آب و تاب میں چشمہ تھا نور کا
ہر برگ باغ باغ تھا ہر پھول شادکام
اشجار جھومتے تھے مسرت کا پی کے جام
گلہائے شوخ رنگ تھے مصروفِ میکشی
مستی سے جھومتی تھی چمن کی کلی کلی
اتنے میں آفتاب بھی گردوں پہ آگیا
اک عالمِ شباب گلستاں پہ چھا گیا

نمودِ روزِ روشن

نشیمن سے چڑیاں اُڑی آرہی ہیں
گلستاں کی کلیاں کھلی جا رہی ہیں
پرستاں کی پریاں بھی کچھ گا رہی ہیں
ہوائیں تبسّم کی لہرا رہی ہیں

وہ نقشہ ہی سب ظلمتِ شب کا بگڑا
جو مشرق سے اک شعلۂ نور چمکا

کیا جس نے زرتاب سارے جہاں کو
کیا جس نے پُرنور کون و مکاں کو
تروتازگی جس نے دی گلستاں کو
کیا جس نے بیدار خوابِ گراں کو

سُنہری شعاعیں جو ہر سمت پھیلیں
ضیا بار ہوکر وہ دنیا پہ چھائیں

چٹانیں پہاڑوں کی زرّیں بنی ہیں
زمینیں جہاں کی چمکنے لگی ہیں
درختوں کے پتوں سے کرنیں لڑی ہیں
فضائیں اُجالے کو پھیلا رہی ہیں

طلائی شعاعوں کا دریا چڑھا ہے
کہ بحرِ ضیا میں تموّج ہوا ہے

فلک کے نگینوں کو پریوں نے لوٹا
نظر سے کوئی ان کی تارہ نہ چھوٹا
ہوا شادماں دہر کا بوٹا بوٹا
بلندی سے اک چشمۂ نور پھوٹا

کیا جس نے سیراب ارض و سما کو
مجلّا کیا جس نے ساری فضا کو

فرشتے اُجالے کو چمکا رہے ہیں
شعاعوں میں چھپ کر چلے آ رہے ہیں
ضیا ساری دنیا میں پھیلا رہے ہیں
مسرت فزا پھول برسا رہے ہیں

گئی رات، دن کا ہوا دَور دورہ
رکھا شکرِ خالق میں رندوں نے روزہ

پہاڑوں پہ تخت آ کے پریوں کے اترے
چرندے درندے بیاباں میں پھیلے
ہیں مرغانِ آبی نے پر اپنے کھولے
بطوں نے بھی دریا میں غوطے لگائے

کوئی بہرِ گلگشت گلشن میں آیا
کوئی بہرِ تفریح صحرا میں پہنچا

کسی کو ہوئی جستجوئے مناظر
کوئی کارِ دنیا میں سرگرمِ خاطر
ہوئے مولوی محوِ فتوائے کافر
جو اسرارِ شب تھے ہوئے سب وہ ظاہر

لگے اپنے اپنے مشاغل میں سارے
ہوئے اہلِ دنیا میں کاموں کے چرچے

مدارس میں تدریسِ علمی مسائل
معابد میں تنظیمِ دینی مشاغل
کہیں مطرب و ساز کی گرم محفل
کہیں کوئی وارفتۂ وحشتِ دل

ہوئی کاروانوں کو تشویشِ منزل
چلیں کشتیاں ڈھونڈھنے اپنا ساحل

کہیں طبل بجنے لگے کشت و خوں کے
اثر ہیں کہیں رُخ پہ رازِ دروں کے
کسی پر مسلط ہیں شیطاں جنوں کے
کہیں تیر چلتے ہیں سحر و فسوں کے

کہیں فتح و نصرت کے ہیں شادیانے
کہیں جاہ و عزت کے ہیں شادیانے

کہیں ہو رہا ہے مسائل کا چرچا
کہیں حق و باطل کا ہوتا ہے جھگڑا
ہے ایجاد و تحقیق میں کوئی اُلجھا
کسی کو ہے منظور تدقیقِ دُنیا

غرض ایک ہلچل کا پھیلا ہے طوفاں
اسی میں ہیں قدرت کے اسرارِ پنہاں

سبق معرفت کا ہیں دنیا کے قصّے
نکلتے ہیں اس سے ہزاروں نتیجے
ذرا غور کی آنکھ سے کوئی دیکھے
ہیں فطری مناظر میں کیا کیا لطیفے

بصیرت نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے
نہ ہے ظلمتِ شب، نہ صبحِ حسیں ہے

جہانِ فقر

پہنچا جہانِ فقر میں اک دن میں جانفروش
دیکھا کوئی ہے مست کسی کو نہیں ہے ہوش
بیٹھا ہوا ہے کوئی نگوں سر زباں خموش
حلقوں میں ہو رہا ہے کہیں شغلِ ہوش گوش
کوئی فنائے تام کا کرتا ہے ادعا
ہے مدعی مقامِ بقا کا کوئی گدا

سہرا کسی کے سر پہ ولایت کا ہے بندھا
کوئی ہے شیخِ وقت کوئی پیرِ پارسا
کوئی ہے مدعیٔ توکل بنا ہوا
اور کوئی ذکر و فکر میں ہے محوِ مدعا
القصہ ہاؤ ہو کا بپا شور تھا کہیں
چنگ و رباب تھا کسی محفل میں دل نشیں

تھی بحثِ اصطلاح کہیں بحثِ فلسفہ
کوئی تراشتا تھا نیا دل سے مسئلہ
کرتا تھا کوئی صوف و تصوّف پہ تبصرہ
طے کر رہا تھا کوئی مقاموں کا مرحلہ
ان سب امور کا تھا فقط ایک مدعا
یعنی شکم پُری کے مصارف کا اقتضا

جس پر نگاہ کی وہ ہوا کا اسیر تھا
ٹٹّی کی آڑ میں تھا وہ جویا شکار کا
پھیلا قدم قدم پہ تھا اک دامِ پُر دغا
ہر ایک گھات میں تھا کسی کی لگا ہوا

نذر و نیاز کی تھی مدارات ہر طرف
خیرات و فاتحہ کے نظامات ہر طرف
صدقات اور زکوٰۃ کا رکھ کر فتوح نام　　تھا فاتحانِ نقد کو نقدی کا اہتمام
تھا آڑ میں کسی کو توکّل کے بس یہ کام　　زردار کوئی بھیجدے خوش ذائقہ طعام
حامل تھا ایک توند کا ہر پیر پارسا
جس میں بھری ہوئی تھی خدا جانے کیا بلا
کوئی وصول نام سے کرتا تھا عُرس کے　　کوئی نیاز کے لئے کرتا تھا چوچلے
کوئی کرامتوں کے دکھاتا تھا شعبدے　　چلّہ کسی نے کھینچا تھا تسخیر کے لئے
کوئی بنا ہوا تھا دعا گو رئیس کا
کوئی کسی غرض کے لئے گوشہ گیر تھا
تھی زندگی سہارے پہ غیروں کے سربسر　　آنکھیں لگی ہوئی تھیں مریدوں کے ہاتھ پر
دعوت کے نام سے کوئی پھرتا تھا دربدر　　لیکن خدا کی ذات پہ ہرگز نہ تھی نظر
خوگر تھے مفت خوری و خیرات کے سبھی
گرویدہ تھے زکوٰۃ کے صدقات کے سبھی
کوئی تھا حج کے واسطے امیدوارِ زر　　تھے وجہِ احتیاج کہیں دختر و پسر
سو سو طرح کے حیلے بہانے زبان پر　　روزِ جزا کا دل میں ذرا بھی نہ تھا خطر

پھیلا رہے تھے چار طرف اپنے دام کو
بدنام کر رہے تھے فقیری کے نام کو
مشہور کر رہا تھا کوئی خود کو شاہِ روم
اُستاد تھا رمل کا کوئی واقفِ علوم
کامل کوئی فسوں میں کوئی ماہرِ نجوم
دیکھا جو ایسے ڈھونگ کا ہر سمت اک ہجوم
کہتا ہوا یہ دل میں روانہ میں ہو گیا
آیا تھا ان کے حال پہ رونے تو رو گیا



قطعات

قدمائے شعروادب نے بعض وقت اپنے خیالات وجذبات کو قطعہ کی صورت میں ظاہر کیا ہے جو دو اور دو سے زیادہ شعروں کا ہوتا ہے، یہ قطعات پہلے تو غزل ہی کا جزو تھے اور اب بھی اس قدیم یادگار کو باقی رکھنے کے لئے اکثر شعرا یہی صورت اختیار کرتے ہیں لیکن بعض اہلِ سخن نے قطعات کو ایک علیحدہ صنف قرار دے کر مستقل حیثیت قائم کردی ہے چنانچہ آجکل اکثر حضرات قطعہ ہی کو پسند کرتے ہیں۔ "نغمات" میں بھی غزلوں کے ساتھ جابجا قطعات تھے جن کو میں نے چُن کر علیحدہ جمع کرلیا، اِس چمنستان میں ہر قسم کے رنگارنگ پھول اپنے حُسن ونزہت کی دل آویزی اور دلکشی کے ساتھ چشمِ تماشا کے دامن میں بکھرے ہوئے ہیں اور اس بزمِ ادب میں شرابِ حقیقت ومعرفت کا لبریز جام گردش کر رہا ہے۔

خدا کرے کہ ذوقِ طلب کی تشنگی کے لئے یہ قطعات دودھ اور شہد کی نہریں بن جائیں اور اس چشمۂ فیض سے سخن فہموں کو تمتع وافر کے ساتھ طریقِ حیات کا صحیح

ادراک ہو کر زندگی کی حقیقی روح اور احساس و شعور میں بیداری پیدا ہو۔
پہلے میرا ارادہ تھا کہ قطعات کو علیحدہ طبع کیا جائے مگر خود حضور اقدس مدظلہٗ کے ایمائے مبارک کی بنا پر اس مجموعۂ نظم کے ساتھ شامل کر دیا۔

ابرار حبیب

قلب نے تجکو دلربا سمجھا   آنکھ نے اپنا مدعا سمجھا
کوئی سمجھا نہ آجتک تجکو   عقلِ مجبور نے خدا سمجھا

عرش کا نور کبھی طور کا جلوا دیکھا   گوشہ گوشہ دلِ مشتاق کا چمکا دیکھا
یہ فقط رحم وکرم تھا یہ فقط لطف وعطا   دیکھا دیکھا ترے صدقے تجھے اپنا دیکھا

دل میں معمور ہوئے جاتے ہیں   طور ہی طور ہوئے جاتے ہیں
ذرّہ ذرّہ میں تجلّی پھیلی   دیدے پُر نور ہوئے جاتے ہیں

حُسن میں شانِ کبریائی ہے   عشق میں رنگِ خود نمائی ہے
حُسن اور عشق کا ہے دل مرکز   آنکھ میں ذوقِ آشنائی ہے

دل نہیں ہے بلکہ اک مخزن ہی یہ   نور کا اک چشمۂ روشن ہے یہ
خالقِ اکبر ہے خود ہی باغباں   کیا پھلا پھولا ہوا گلشن ہے یہ

روپ کس کا ہے بہارِ گُل میں   سوز کس کا ہے دلِ بلبل میں
کس نے گلشن کو کیا نزہت گاہ   کس نے پھیلائی ہے نکہت کل میں

گلِ خنداں بہ گلشن گفت از من
چرا بر روئے من چشمت فگندہ
تبسّم کردم و دادم جوابے
برائے آنکہ در تو حُسنِ بندہ

رہزن تھی نہ جانے رہنما تھی
دشمن تھی نہ جانے آشنا تھی
میں آج بھی ہوں ہلاک حیرت
کیا جانے نگاہِ ناز کیا تھی

قطرہ ہائے اشک ہیں یا ہیں بجلیاں
آنکھ سے ظاہر ہوئیں بے تابیاں
دل تو پہلے سے ہی سینہ میں نہیں
جان تھی، اُس نے بھی کیں قربانیاں

رنج سب دور ہوئے جاتے ہیں
غم بھی کافور ہوئے جاتے ہیں
دیکھو دیکھو وہ قیامت آئی
نالے اب صور ہوئے جاتے ہیں

جتنے نقشے اُمید لاتی ہے
یاس گن گن کے سب مٹاتی ہے
زندگی تو خفا تھی پہلے سے
موت بھی جان اب چُراتی ہے

حسرتیں مر کر نہ دل سے ڈھل گئیں
سب مٹانے پر ہمارے تُل گئیں
زندگی کھوئی تو پائی زندگی
آنکھ جھپکی تھی کہ آنکھیں کُھل گئیں

عیش کیا شے ہے، بیکسی کیا ہے
رنج کیا چیز ہے خوشی کیا ہے
سب کرشمے ہیں تیری آنکھوں کے
حُسن والے! یہ دل لگی کیا ہے

آہ مرہونِ ناتوانی ہے
ہائے کیا دورِ آسمانی ہے
عُمرِ رفتہ فقط فسانہ تھا
اب تو مرنے میں زندگانی ہے

کارواں ہوگا روانہ ایک دن
موت کا ہوگا بہانہ ایک دن
زندگی، لاکھوں ہیں جس کے اہتمام
خواب ہوگا یہ فسانہ ایک دن

لے بہار آگئی ہشیار جنونِ بے باک
دشمنِ عقل وخرد رہزنِ فہم و ادراک
ہم توجب جانیں تجھے دستِ جنوں! دستِ جنوں
اب کے ہوجائے سراپردۂ ہستی بھی چاک

پردۂ الفت نے کردی اور عریانی مری
مجکو خود کرنی پڑی آخر نگہبانی مری
ہائے کیوں واقف ہوا میں عشق کے اسرار سے
کس جگہ سے ڈھونڈھکر لاؤں وہ نادانی مری

اسیرِ زلفِ بتاں پر عذاب ہی دیکھا
ہمیشہ دل میں نہاں اضطراب ہی دیکھا
بتوں کا عشق تباہی کا پیش خیمہ ہے
جسے بھی دیکھا بحالِ خراب ہی دیکھا

عشق کیسا نباہ کرنا کیا
حُسن کیا شے ہے چاہ کرنا کیا
نہیں معلوم جب کہ تم کیا ہو
رنج کس کا ہے آہ کرنا کیا

کسی لیلیٰ صفت سے ساز کیجے
فضائے عشق میں پرواز کیجے
پُرانا ہو گیا افسانۂ قیس
نئے قصّہ کا اب آغاز کیجے

طائرِ گلشنِ زمینِ حجاز!
تو نے دیکھا ہے گل میں جلوۂ ناز
نغمۂ داستانِ حسن سُنا
رند بیٹھے ہیں بہرِ سوز و گداز

جسم مسجد ہے سینہ ہے محراب
دل ہے فانوس، جان ہے مہتاب
روشنی ہیں تصوّرات اپنے
زندگی کے یہی ہیں بس اسباب

کسی کا غم مجھے ناکارہ کر دے
کسی کی یاد دل صد پارہ کر دے
یہی اک آرزو باقی ہے قدسیؔ
کہ ذوقِ جستجو آوارہ کر دے

گذشتہ واقعہ کیا یاد کرنا
کہاں ماضی کہاں ماضی کا چرچا
نیا ہر روز ہے افسانۂ طور
نئی ہر دم ہے جلوے کی تمنّا

نہ جانے تے ہوں یا پیمانہ ہوں میں
کوئی بدمست یا دیوانہ ہوں میں
خدا معلوم کیا ہوں کیا نہیں ہوں
مگر کہتے ہیں سب میخانہ ہوں میں

ہے وہ مجموعۂ اسرار مرا رازِ نہاں
جس کے معنے نہ ہوئے ہیں نہ کبھی ہونگے عیاں
یوں چھپی ہے مری ہستی میں حقیقت قدسی
جیسے الفاظ میں رہتے ہیں معانی پنہاں

کٹی ہیں منزلیں اپنی مزے میں
بہاریں لوٹ لی ہیں راستے میں
تصوّر کا بھلا ہو یا الٰہی
چمن بندی تھی دل کے آئینے میں

بادشاہی میکنم با عز و جاہ
تاجِ زر دارم نہ ایوان و سپاہ
حکم بر افلاک و انجم میکنم
اللہ اللہ رفعتِ حالِ تباہ

در ملکِ من زمینِ زر و بحرِ پُر گہر
ہستم فرازِ شوکت و سلطانِ بحر و بر
این ست مملکت پئے درویشِ گوشہ گیر
بے ساختہ پناہِ لبِ خشک و چشمِ تر

کوئی بھی نہ اسرارِ پسِ پردہ کو سمجھا
گو رازِ حقیقت کے تجسّس میں ہے دنیا
ہر سمت قیاسات کے دوڑادئے گھوڑے
پھر بھی نہ کوئی منزلِ مقصود کو پہنچا

کیوں کسی محتاج کو اپنا بناؤں میں وکیل
ہمنوا کی جستجو ہے بے نوائی کی دلیل
بے نیازِ چاکری ہوں دور از فکرِ معاش
میرا مولائے حقیقی ہے مرا خود ہی کفیل

اک وہ کہ روز و شب ہیں گرفتارِ سکر و صحو
اک وہ کہ صبح و شام ہیں مصروفِ صرف و نحو
اک وہ کہ ہر قدم پہ ہیں پابندِ گیر و دار
اک میں کہ یادِ زلف میں ہر سانس میری محو

بہارِ حُسن ناکارہ نہ کردے
نسیمِ شوق آوارہ نہ کردے
بچا دامانِ ضبط و صبرِ قدسیؔ
نگاہِ ناز صد پارہ نہ کردے

باغ میں جب کلی چٹکتی ہے
پھول بن جاتی ہے مہکتی ہے
نونہالو! نقاب پوش بنو
دیکھو دیکھو بہار تکتی ہے

موسمِ گُل میں دل نہ کیوں گھبرائے
ابر پیغام مے پرستی لائے
شوق بھی ہے خیالِ توبہ بھی
کیا خبر رنگ کون سا جم جائے

شوقِ سجدہ ہے در نہیں ملتا
گھر میں ہوں اور گھر نہیں ملتا
تو کہاں ہے کہ آج میں خود کو
ڈھونڈتا ہوں مگر نہیں ملتا

گُل میں گلشن میں بُو میں بُستاں میں
نغمۂ بلبلِ خوش الحاں میں
ہو بصیرت تو دیکھ شانِ حق
ذرّہ ذرّہ میں مہر تاباں میں

عشق میں مبتلا کبھی نہ ہوا
آدمی بن کے آدمی نہ ہوا
بندہ کہتے بھی شرم آتی ہے
کچھ اداحقِ بندگی نہ ہوا

عجب ہی کیف ہے الفت کی مَے میں
نشہ ایسا کہاں ہے اَور شَے میں
نسیمِ صبحگاہی وجد میں ہے
غضب کا درد ہے بلبل کی نَے میں

دل ہوا وارفتہ صورت دیکھ کر
رو دیئے سب میری حالت دیکھ کر
پاؤں پھیلائے جنونِ عشق نے
دامنِ صحرا کی وسعت دیکھ کر

رنج دوزخ ہے اور خوشی جنت
پُل ہیں انفاس، زندگی، مدّت
جسم برزخ ہے سیرِ روحی کا
خاتمہ ہو بخیر تو رحمت

کیا کہوں کس لئے ہوں افسردہ
سچ تو یہ ہے کہ دل ہوا مردہ
سُن کے بربادیوں کا افسانہ
وہ بھی کچھ ہو گئے ہیں آزردہ

یہ انقلابِ زمانہ فقط کہانی ہے　　جو چشمِ غور سے دیکھو تو بامعانی ہے
رہا ہے کوئی نہ کوئی رہے گا دنیا میں　　نظامِ عالمِ ہستی تمام فانی ہے

آج تو سرگرمیٔ میخانہ ہے　　کل نہ ساقی ہے نہ یہ پیمانہ ہے
پی کے مے قدسی نے مصرع کہدیا　　زندگی اک خواب اک افسانہ ہے

ہرشخص جانتا ہے کہ مرنا ہے لازمی　　پھر بھی ہے رو براہِ قیامت سے بے رُخی
حیرت کی بات ہے کہ نہیں قبر کا خیال　　سرگرمِ کارِ زیست ہے ہر وقت آدمی

جہاں والے ستم ایجاد کرلیں　　تباہی سے مری دل شاد کرلیں
مگر اک بات قدسی کی بھی سُن لو　　نئی دنیا کہیں آباد کرلیں

لاکھ کھوٹا کھرا پرکھتے ہیں　　زندگی کا مزا بھی چکھتے ہیں
دُور جن سے ہے عیشِ روحانی　　کیوں امیرانہ شان رکھتے ہیں

پہلے ممنون تھے وہ شیطاں کے　　اب ہیں مشکور اپنے ایماں کے
ہے غنیمت کہ ہوگئے تائب　　کاش پیرو رہیں وہ پیماں کے

شیخ جی اپنا وعظ رہنے دیں
اشک آنکھوں سے میری بہنے دیں
روکیں مجکو نہ میرے نوحہ سے
حال وارفتگی کا کہنے دیں

زیردستوں کی ہے زبردستی
ہے بلندی پہ اندنوں پستی
کوہ وصحرا تو ہو گئے غرقاب
صفحۂ بحر پر ہوئی بستی

کفر سے نکلے مسلمانی ملی
ظلمتوں میں نورسامانی ملی
اے مسلماں! کچھ خبر بھی ہے تجھے
گلہ بانی سے جہانبانی ملی

پچھلی تاریخ کا تو دَور کرو
زور پیدا دلوں میں اَور کرو
ٹھوکریں کھا رہے ہو دَر دَر کی
اپنے حالِ زبوں پہ غَور کرو

کیا سبب ہے زوال کا سوچو
اپنے انجامِ کار کو دیکھو
زندگانی تو چند روزہ ہے
کہیں ایسا نہ ہو کہ تم نہ رہو

تم ہو وہ جو تھے فاتحِ عالم
سَرکشوں کے بھی سر کیئے تھے خم
کس لئے ڈر رہے ہو غیروں سے
اپنی طاقت کو کیوں سمجھتے ہو کم

طاقت سے ہے اقتدارِ ہستی　　طاقت سے ہے اک وقارِ ہستی
طاقت جو نہیں تو ہے تباہی　　طاقت ہی پہ ہے مدارِ ہستی

کیوں زمانہ کے حادثوں سے ڈریں　　اپنے اللہ سے مدد مانگیں
ہو بھروسہ تو اپنی طاقت پر　　بزدلی ہے پناہ غیر کی لیں

ارضِ بطحےٰ سے آ رہے ہیں پیام　　ہند کے مسلمِ تباہ کے نام
فرقہ بندی کے جال کو توڑو　　ورنہ ہوگا بہت بُرا انجام

کوئی راوی پرست و قبر پرست　　نشۂ ملک و مال میں کوئی مست
ہے کسی کا مقام مے خانہ　　قومِ مسلم غرض ہے پست سے پست

خانہ جنگی کے مولوی ہیں مرد　　اور فتوائے کفر میں بھی فرد
اپنے گھر میں تو ہیں بہت ہی گرم　　غیر کے سامنے مگر ہیں سرد

مدرسوں میں دغا شعاری ہے　　خانقاہوں میں خام کاری ہے
قومِ مسلم! ترا خدا حافظ　　ہر مصیبت کی گولہ باری ہے

رہنما جو بنے ہیں روحانی صوفیِ وقت و شیخِ حقّانی
ان کی توحید کیا کرامت کیا چند قبریں ہیں جانی پہچانی

اے پرستارِ حسنِ طاغوتی اے اسیرِ فریبِ ناسوتی
پردۂ مومنی میں شرک، افسوس تو ہے اور ایک دامِ تابوتی

دیکھئے شکل کیسی نورانی آپ کا اسم شاہ رمضانی
اک لنگوٹی لگی ہے اور اُس پر دعوئے تخت و تاجِ سلطانی

دین کے پیشوا ہیں دین فروش کیوں نہ ہو قوم کا چراغ خموش
اے عجب خود عمل سے مستثنےٰ اور دکھانے کو ایک جوش و خروش

سبقِ خود شناسی بھولے ہیں شرفِ ذات کھوئے بیٹھے ہیں
ٹھوکروں کے سوا نصیب نہیں دربدر مارے مارے پھرتے ہیں

بے حس و مردہ و بے جاں ہیں یہ پیکرِ انس ہیں حیواں ہیں یہ
ہے شب و روز فقط فکرِ معاش اِس زمانہ کے مسلماں ہیں یہ

مفت خوری کے سب ہوئے خوگر　　عام افلاس چھا گیا گھر گھر
کیسی محنت کہاں کی مزدوری　　بھیک کا ٹھیکرا ہے اور در در

مفلسی کیوں نہ چھائے انساں پر　　کیوں نہ ہو اک عذاب ہر جاں پر
بھول بیٹھے ہیں اپنے رازق کو　　اور بھیڑیں لگی ہیں دوکاں پر

مُنہ اپنا مسلمان نے قرآن سے موڑا　　بندہ کا جو رشتہ تھا خدا سے اُسے توڑا
ایماں سے تعلق ہے نہ کچھ دین سے نسبت　　افسوس صد افسوس کہ اسلام کو چھوڑا

مغفرت خواہ بنو جرم کا اقرار کرو　　سر کو سجدے میں رکھو عجز کا اظہار کرو
ہے یقیں ابرِ کرم تم پہ برس جائے گا　　ہوش میں آؤ ذرا قلب کو بیدار کرو۔

ناشر

سیّد ابرار حبیب مدیر مکتبہ ناصریہ

آستانہ مبارک بھوپال